شیخ ابن تیمیہ کے اصولی تفردات کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of the Ibn-e-Teymiyah's Usooli Distinctions

*Muhammad Fazal Haq Turābī

The very existence of theology was a prelude to the competition of philosophy and the support of religion. Other religions, for the sake of legitimacy of their religion, have been raising objections to Islam in all respects. The mixture of nations, non-Arab influences, the negligent rhetoric of scholars and shaykhs, and the erroneous beliefs and practices of the people were tarnishing the clean face of Islam. In the time of Ibn Taymiyyah, there was an emphasis on theology. Theologians specialize in their knowledge and art of rationalism and logic. Their method consisted of reasoning and inference, rational and logical proofs. In contrast to them, the Hanbalis were holding the line of reasoning from the apparent meaning of verses and hadiths and texts. In the case of debates and debates, the weight of the theologians would be heavy and the opponent would be considered ignorant. Ibn Taymiyyah paid homage to the authenticity and supremacy of the Qur'an and Sunnah in such a way that he made critical commentary and analysis on philosophy and Greek logic and reasoned weaknesses and errors. One-half or two-thirds of his total writing services on the subject of speech and logic. This shows that Ibn Taymiyyah was feeling the need of defending Islam in this regard because in his time these sciences and arts had become very popular and common practice. The far-reaching effects of his thoughts and opinions in this regard have been felt in every age. The issues in which he has differed are the result of his research, jurisprudence and ijtihad, and constant reflection. The basis and foundation of which is the Quran and Sunnah, the interaction of companions and speculation. In these Ijtihad issues of hiss, there is a collection of arguments and proofs related to the Quran and Sunnah. In this article, an introductory and analytical study of Ibn Taymiyyah's fundamental differences will be presented.

Key words: Ibn e Tamiya, Islamic Jurisprudence, Jurisprudential principles, Distinctions, Ijtihad, Mutazilites.

* Ph.D Research Scholar, Dept. of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.

تعارف:

ابن تیمیہؒ اتوار 10 ربیع الاول 661ھ میں اس عالم رنگ و بو میں تشریف لائے۔ احمد تقی الدین آپ کا نام نامی اسم گرامی رکھا گیا۔ ابو العباس کی کنیت آپ نے از خود اختیار کی ہے۔ علمی دنیا میں آپ کا خاندانی نام اور لقب ابن تیمیہ غالب اور مشہور و معروف رہا ہے۔

ابن تیمیہؒ نے اس زمانے کے من جملہ علوم و فنون کی تحصیل اور تکمیل میں کوئی کسر نہ چھوڑی علم لغت و نحو میں کامل دسترس حاصل کی۔ امام نحو سیبویہ کی کتاب "الکتاب" کا آپ نے بڑے ناقدانہ انداز میں مطالعہ کیا تو اس کے ضعیف مقامات کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ آپ نے سیبویہ کی اغلاط پر ایک تحقیقی انداز میں گرفت کی، جو آپ کے غور و فکر سے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

نظم و نثر میں ایک قابل ذکر اور قابل اعتبار حصے کو آپ نے اپنے قلب و ذہن میں محفوظ و مامون کیا۔ جاہلی عرب اور اس سے پہلے عرب کے لوگوں کے حالات و واقعات کا بنظر عمیق مطالعہ کیا۔ تاریخ اسلام اور اسلامی سلطنتوں کے مطالعہ نے آپ کے لئیے نئی جہتوں کا تعین کیا۔ فن کتابت خوشنویسی، حساب و ریاضی کو اپنے وقت کے جید اساتذہ سے حاصل کیا۔

فقہ و اصول فقہ، فرائض اور حدیث و تفسیر کی طرف کامل توجہ سے حظ وافر لیا۔ فقہ حنبلی تو انکے گھر کا ذاتی خزانہ تھا۔ امام حمیدی کی کتاب کو آپ نے دستور کے مطابق حفظ و سماع اور کتابت کیا، مسند امام احمد اور صحاح ستہ کی سماعت بارہا کی تھی۔ شیوخ حدیث میں ابن عبد الدائم المقدسی جیسے لوگ شامل ہیں، بایں ہمہ ابن تیمیہؒ نے جن محدثین سے حدیث کا تلمذ حاصل کیا ہے انکی تعداد دوسو (200) سے زیادہ تھی۔

تفسیر، ابن تیمیہ کے لئے محبوب، مرغوب اور مطلوب موضوع تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے تفسیر قرآن کے لئے ایک سو سے زیادہ کتابوں کا مطالعہ بڑے غور و خوض کے ساتھ کیا تھا۔[1] تلاوت، تدبر و تعمیق اور کثرت مطالعہ کی وجہ سے علوم قرآنی کا اللہ جل جلالہ کی طرف سے آپ پر ایک خاص فیضان تھا۔ کثرت مطالعہ کے ساتھ ساتھ صاحب قرآن کے ساتھ رجوع کر کے فہم معانی و مطالب کے لئے شرح صدر کی دولت کے متقاضی ہو جاتے تھے۔ غیر آباد مساجد اور مقامات پر جا کر نہایت گریہ و زاری سے تفہیم قرآن کی دعاؤں سے اشک بار رہتے۔ بعض اوقات تو آپ نے ایک آیت کے معانی و مقصود تک رسائی کیلئے سو تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ پھر دعا کرتے تھے کہ اس آیت کی تفسیر کا فہم عنایت ہو۔ ابن تیمیہ بیان کرتے ہیں۔

"ربما طالعت على الآية الواحدة نحو مائة تفسيرثم اسئال الله الفهم---وكنت اذهب الى المساجد المهجورة"[2]

ابن تیمیہ کے زمانے میں علم کلام کا زور اور دور تھا، متکلمین فلسفہ، عقلیات اور منطقیات سے اپنے علم و فن میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کا طریق استدلال اور استنباط عقلی اور منطقی براہین پر مشتمل تھا۔ جبکہ ان کے مد مقابل میں حنابلہ آیات واحادیث اور نصوص کے ظاہری مفہوم سے طرز استدلال کا دامن تھامے ہوئے تھے۔ بحث و مناظرہ کی صورت میں متکلمین کا پلڑا بھاری نظر آتا اور مد مقابل کو عقلیات

---

[1] Sayed Abu al-Hasan Nadvī, Tārīkh Da'wat wa 'azīmat (Karāchi: Majlis Nashriyāt-e-Islām, S.N), 1:39.

[2] Abu 'Abdullah Muhammad bin Ahmad bin 'Abd al-Hādī Ṣālḥī, Al-'Aqūd al-Durriyah min Manāqib Sheikh ul-Islām Ibn e Teimiyyah, Research: Abu Mus'ab Tal'at bin Fawād ḥalwānī (Al-Qāhirah, Misr: Al-Fārūq al-ḥadīthiyyah, Edition 1st 1422 A.H, 7.

سے بے خبر گردانا جاتا تھا۔ ابن تیمیہ نے کتاب و سنت کی ترجمانی، صداقت اور تفوق کا حق یوں ادا کیا کہ فلسفہ اور یونانی منطق پر ناقدانہ تبصرہ اور تجزیہ اور ضعف واغلاط کا مدلل بیان کیا۔ جس کے جواب کا کسی کو کوئی چارا اور یارانہ ہوا۔

الغرض ابن تیمیہؒ من جملہ علوم وفنون میں کامل مہارت کے صاحب اور مالک تھے۔ ہر علم میں خداداد صلاحیت اور قابلیت کی بنا پر امامت کے درجہ پر فائز نظر آتے ہیں۔ بسا اوقات آدمی ہر فن مولا نہیں ہوتا ہے۔ مگر اللہ جل جلالہ نے ابن تیمیہ کو تقریبا ہر علم میں وہ قابلیت اور صلاحیت سے نوازا تھا، جس سے آپکے معاصرین تہی دامن نظر آتے ہیں۔ ابن تیمیہ کے لئے علوم وفنون ایسے نرم ونازک کر دیئے گئے تھے۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کر دیا گیا تھا۔ آپکی علمی جامعیت اور ہمہ دانی کا ثبوت واعتراف آپکے حریف لبیب سے ملتا ہے۔ کمال الدین الزملکانی معترف حقیقت ہیں۔

"قد الان الله له العلوم كما الان لداؤد الحديد كان اذانسئل عن فن من العلم ، ظن الرأ ى والسامع انه لا يعرف غير ذالک الفن وحكم ان احدا لا يعرفه مثله"[3]

علم وعمل اور ہمت واستقلال کا یہ کوہ گراں 22ذوالقعدۃ728ھ کی شب کو67سال کی عمر میں اس دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ کر گیا۔

عقائد اور کلام ومنطق:

علم کلام کا وجود مسعود ہی فلسفہ کے مقابلے اور مذہب کی تائید وحمایت کا پیش خیمہ بنا تھا۔ اندریں حالات ساتویں صدی کا زمانہ تو ایسا پر آشوب زمانہ تھا جس میں اندرونی اور بیرونی حملوں کا تانتا سابقہ ادوار کی بنسبت پورے عروج پر تھا۔ دوسرے مذاہب اپنے مذہب کی حقانیت کے لئے اسلام پر ہر حوالے سے اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور شکوک وشبہات کی ایک ایسی فضا کو جنم دے رہے تھے جسکی باد سموم سادہ ذہن کے لئے مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ اختلاط اقوام عالم، عجمی اثرات، علماء اور مشائخ کی غفلت شعاریاں اور عوام کے فاسد عقائد واعمال اسلام کے صاف ستھرے چہرے کو غبار آلود کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑ رہے تھے یہی وجہ ہے کہ بندہ مومن اپنی ایمانی خصوصیات اور امتیازات سے یکسر تہی دامن ہوتا جا رہا تھا۔

کلام اور منطق کے موضوعات پر آپکی تحریری خدمت آپکی من جملہ تحریری خدمات کا نصف یا دو ثلث ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کو اس حوالے سے دفاع اسلام کی حاجت وضرورت زیادہ محسوس ہو رہی تھی کیونکہ آپ کے دور میں ان علوم وفنون کا بہت ہی زیادہ شہرہ اور عام چال چلن ہو گیا تھا۔ عقلیت نے سب کو اپنے سحر میں جکڑا ہوا تھا۔ بطور نمونہ مندرجہ ذیل رسائل وکتب ذہانت و فطانت کا مظہر ہیں۔

1۔ عقيدة الحموية الكبرىٰ۔ 2۔جواب الاعتراضات الحصرية على الفتيا الحموية۔ 3۔الحموية الصغرىٰ۔4۔ مو افقه صحيح المنقول لصريح المعقول او تعارض العقل والنقل۔ 5۔الجواب عما اورده كمال الدين الشريشى على كتاب درء تعارض العقل والنقل۔ 6۔الصارم المسلول على شاتم الرسول۔ 7۔ كتاب فى محنته

---

[3]Mar'ī bin Yūsuf ḥanblī Karmī, Al-Kawākib al-Durriyyah fi manāqib al-mujtahid Ibn e Teimiyyah, Tahqīq: 'Abd al-Rahmān Khalf (Beirūt, Labnān: , Dār al-gharb al-Islāmī, Edition 1st 1406 A.H, 60.

بمصر۔ 8۔مذهب السلف القويم فى تحقيق مسئلة كلا م الله الكريم۔ 9۔الكيلانية۔ 10۔ البغدادية۔11۔القادرية۔12۔ المصرية۔13۔ الازهرية۔14۔ البعلبكية۔15۔ جواب مسئلة القرآن بل ہو حرف وصوت ام لا۔عقائد وکلام سے متعلقہ کتب ورسائل کی تعداد 126 ہے ۔1۔ كتاب فى الرد على المنطق۔2۔ الرد على الفلاسفة ۔3۔قاعدة فى الكليات ۔4۔ نقض المنطق۔5۔ كتاب فى توحيد الفلاسفة على نظم ابى سينا ۔ فلسفہ ومنطق کے متعلق جرح ونقد میں کتب ورسائل کی تعداد 17 ہے۔

اصولی تفردات:

امام ابن تیمیہؒ کے تفردات کو بنیادی طور پر دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔(1)اصولی تفردات۔(2)فروعی تفردات۔امام ابن تیمیہؒ کے تفردات کی بنیادی تقسیم کے بعد ابن تیمیہ اپنے تفردات میں دو حوالوں سے منفرد ہو جاتے ہیں۔۔(1) تفردات اور اجماع امت، آئمہ اربعہ یا جمہور۔(2) تفردات اور مذہب حنابلہ۔

امام ابن تیمیہؒ کے تفردات ان کے لئے باعث وحشت اور نکارت نہ ہیں۔جن کی نظر فقہ واصول فقہ اور آئمہ مجتہدین کے اقوال اور مسائل پر گہری ہے۔ ان کے لئے تو یہ تفردات فکری زاویوں کے نئے دریچے کھول دیتے ہیں۔ اور ان کے لئے تحقیق مزید کے لئے باعث طمانیت اور موانست ہیں۔امام ابن تیمیہؒ درس وتدریس اور علمی معاملات میں ہمہ تن جوش وخروش سے مصروف عمل تھے کہ شام کے باشندوں نے استوی العرش اور اللہ جل جلالہ کی صفات کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے کئی صفحات پر مشتمل قرآن وسنت کی روشنی میں جواب سپرد قلم کیا اور لکھا کہ استویٰ معلوم ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے کیفیت مجہول ہے اور اس کے بارے سوال بدعت ہے اور صفات کے بارے میں فرمایا کہ اللہ جل جلالہ کی ذات کی صفات پر ایمان لانا از حد ضروری اور واجب ہے اور ان صفات کی حقیقت وہی ہے جو اللہ جل جلالہ کی شان کے لائق اور فائق ہے۔ جس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا ہے کہ اس سے تشبیہیت، تجسیمیت، نفییت اور تعطیلیت لازم آتی ہے۔اللہ جل جلالہ کی ذات اپنی صفات کاملہ کے ساتھ ساتھ تشبیہ، تجسیم، نفی اور تعطیل سے منزہ ومبراء اور پاک ہے۔ اس معاملہ میں امام ابن تیمیہؒ صفات کا صفات مخلوق سے قیاس ہے نہ غلو وافراط کی صورت میں انکار ہے نہ ہی وہ حقیقت سے دور تاویل کر کے مجاز اور کنایہ ثابت کرنے کے درپے ہیں۔اس معاملہ میں شیخ ابن تیمیہؒ دور دراز اور دور از کار تاویلات کے درپے نہیں ہوتے ہیں اور ظاہر پر ہی رہتے ہیں۔طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ صفات میں تاویل کے قائل نہیں ہیں۔مگر جنت کی نعمتوں یعنی نعمت ونعیم کے بارے میں تاویلات کا سہارا لیتے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ کے اصولی تفردات میں سے یہ مسئلہ مذکورہ پہلی مخالفت کا سبب بنا ہے اور اسی طرح تشبیہ، نفی، تجسیم اور تعطیل کے عقائد آپ کی طرف منسوب کر دیئے گئے اور یہ مشہور ومعروف کر دیا گیا کہ آپ صفات باری تعالیٰ کو مخلوق کی صفات کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ایک مرتبہ آپ نے حدیث نزول بیان کی اور حدیث نزول کی افہام وتفہیم کے لیئے آپ اپنے منبر کے درجہ سے اترے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا نزول بھی میرے نزول کی طرح ہے جس سے بہت شورش ہوئی۔حالانکہ تاریخی حوالے سے اس بات کا تجزیہ کیا جائے تو ابن بطوطہ کا اشتباہ ہے۔کیونکہ ابن بطوطہ 726ھ میں دمشق آیا۔جس وقت امام ابن تیمیہ شعبان 726ھ میں قید وبند کی صعوبت میں تھے۔اور یہ بات مسلم ہے سیاسی تغیرات اور معاصرت کی چشمک نے بہت ساری غلط فہمیوں اور مغالطات کو جنم دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہے ۔ابن تیمیہ کے اصولی تفردات ہر موضوع پر کثیر پائے جاتے ہیں۔ان اصولی تفردات کے بارے میں امام ابن تیمیہ کے اپنے تحفظات اور تائیدات بھی ہیں مگر ایک خاص طبقہ کی جانب سے ان تفردات کی مخالفت بھی پورے زور وشور سے کی گئی ہے ۔ابن تیمیہ کے اصولی تفردات میں سے مندرجہ ذیل مسائل گردانے گئے ہیں۔

1۔ حسن وقبح کا مسئلہ اس مسئلہ میں وہ بظاہر اعتزال پسند نظر آتے ہیں۔2۔ذات وصفات میں آپ کا کلام تاویل سے بہت دور ہے ۔3۔اللہ تعالیٰ محل حوادث ہے۔4۔مرکب ذات ہے۔5۔قرآن فی ذاتہ حادث ہے۔6۔عالم قدیم بالنوع ہے۔7۔جسمیت جہت اور انتقال مکانی کا قائل ہونا۔8۔عدم معصومیت۔9۔سفر زیارت قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔10۔توسل۔

ذات وصفات:

1۔ محل الحوادث

حدث اس چیز کا نام ہے، جس کا وجود پہلے نہ ہو اور ایجاد کے بعد وہ اپنے وجود میں آجائے۔اسی طرح جو شے متغیر ہو یعنی زمان و مکان کے اعتبار سے تغیر و تبدل قبول کرتی ہو وہ حادث ہوتی ہے۔ جیسے مناطقہ کہتے ہیں۔"العالم متغیر"۔(عالم تغیر پذیر ہے)"کل متغیرحادث"(ہر متغیر حادث ہے)"فالعالم حادث"تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ (عالم حادث ہے) محل الحوادث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات حادث ہیں اور اس طرح ان سے عدم سے وجود اور تغیرات کا محل بتایا گیا ہے۔

2-مرکب تفتقر افتقار الكل للجز

اس کا معنٰی و مفہوم یہ ہے کہ وہ ذات اجزاء سے مرکب ہے۔اور یہ بدیہی بات ہے کہ کل جو ہوتا ہے وہ اجزاء کا محتاج ہوتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ذات اپنی ترکیب میں دوسرے اجزاء کی محتاج ہے اور خود یہ ترکیب ہی اپنے وجود کیلئے ایک امر آخر کی احتیاج میں سمجھی جائے گی۔یعنی اس ذات کو ہاتھ، آنکھ، چہرہ اور پنڈلی وغیرہ کی احتیاج ہے جیسے کل کو جزء کی طرف احتیاج ہوتی ہے۔

3۔" ان العالم قديم بالنوع ولم يزل مع الله مخلوقا دائما فجعله موجبا بالذات لا فاعلا باالاختيار"[4]

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ عالم اپنی نوعیت کے اعتبار سے قدیم ہے اور اس عالم کا یہ قدم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس قدیم ذات کے ساتھ قدم کی حالت میں رہا ہے۔عالم ذات کے لئے موجب ہے نہ کہ اس معاملہ میں ذات فاعل اختیار ہے۔ذات کے ساتھ ساتھ عالم کو قدیم کہنے کا قول کیا گیا ہے۔بالفاظ دیگر مخلوق ہو کر خدا کے ساتھ اس کا تعلق دائمی ہے اور اس کو موجب بالذات جانا ہے فاعل باالاختیار نہیں۔[5]

4۔ "هو قابل بالجسمية والجهة والانتقال و انه بقدر العرش لااصغرولا اكبر"۔[6]

ابن تیمیہ کی طرف یہ تفرد بھی منسوب ہے کہ آپ ذات باری تعالیٰ کے لئے جسمیت، جہت اور انتقال کے قائل ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی ذات عرش کی وسعت اور مقدار کے برابر ہے۔وہ ذات زیادہ نہ بڑی اور نہ زیادہ چھوٹی ہے۔اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ آپ کو عرش پر محیط جانا گیا ہے۔جس سے جسمیت، محاذات اور استقرار لازم آتا ہے، جس سے وہ ذات پاک منزہ و مبرا ہے۔

[4]Mawlānā ʻAbd al-Halīm Chishtī, Fawā'id-e-Jāmiʻah bar ʻujālah-e-Nāfiʻah (Karachi: Mīr Muhammad Kutub Khānah, S.N), 250.

[5]Mawlānā ʻAbd al-Halīm Chishtī, Fawā'id-e-Jāmiʻah bar ʻujālah-e-Nāfiʻah,250.

[6]Ahmad Shahāb al-dīn bin Hajar Al-Makkī, Al-Fatāvā al-Hadīsiyah (Beirūt: Dār al-mʻarafah, S.N), 116.

5۔" ان علم الله لایتعلق بما لایتناهی کنعیم اهل الجنة و انه لایحیط بغیر المتناهی"۔

اللہ جل جلالہ کا علم غیر متناہی امور سے تعلق نہیں رکھتا ہے۔ جیسے اہل جنت مختلف النوع نعمتوں سے نوازے جائیں گے، تو اللہ کا علم ان نعمتوں کی انتہاء اور غایت تک محیط نہیں ہے۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ اللہ جل جلالہ کا علم غیر متناہی کو محیط نہیں ہے۔ عام لوگوں کا عقیدہ اور مذہب ہے کہ اللہ جل جلالہ کا علم غیر متناہی کو بھی محیط ہے جس کی انتہاء اور غایت نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں ابن الجوینی کے قدم بھی ان کی اپنی کتاب برہان میں ڈگمگا گئے ہیں۔[7]

کلام اللہ:

1۔ "ان القرآن محدث فی ذات الله" ۔

اللہ جل جلالہ کی ذات کے ساتھ صفات بھی قدیم یعنی ازلی ابدی ہیں۔ اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے یہ قرآن پاک جو حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور اللہ جل جلالہ کی صفت ہے یہ کلامی صفت اللہ تعالیٰ کی ذات میں محدث ہے۔ یعنی صفت کلام اللہ اللہ جل جلالہ کی ذات کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے متصف نہیں رہی ہے بلکہ اللہ کی ذات سے جدا ہے اور بعد میں وجود بخشا گیا ہے۔

2۔" ان التوراة والانجیل لم تبدل الفاظهما و انما بدلت معانیها "[8]

اللہ جل جلالہ نے انسانیت کی رشد و ہدایت کیلئے چار آسمانی کتابیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن پاک نازل فرمائی ہیں۔ تورات اور انجیل کے بارے میں عام مؤقف یہی ہے کہ ان کے الفاظ میں تغیر و تبدل کر دیا گیا ہے اور الفاظ کو ہر گز جوں کا توں نہیں رہنے دیا گیا۔ جیسا کہ وہ منزل من اللہ تھیں۔ الفاظ کے تغیر و تبدل کے ساتھ معانی کا کچھ کا کچھ ہو جانا تو ایک ناگزیر امر ہو جاتا ہے، تاہم ابن تیمیہ کی طرف یہ اصولی تفرد بھی منسوب ہے کہ آپ کے نزدیک تورات اور انجیل کے الفاظ میں ان کے پیروکاروں نے کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا ہے۔ بلکہ اہل کتاب نے تورات و انجیل کے معانی میں اپنی ابلیسی کاوشوں سے تغیر و تبدل کر دیا ہے۔ ان کے الفاظ وہی منزل من اللہ ہیں۔ جن میں کسی قسم کوئی تبدیلی روا نہیں رکھی گئی ہے۔ تورات و انجیل کے الفاظ میں تبدیلی اور تحریف نہیں ہے یہ تو اسی صورت میں موجود ہیں۔ تحریف ان کتابوں کی تاویل میں ہوئی ہے۔

انبیاء علیہم السلام:

1۔ "ان الانبیاء غیر معصومین"

حضرت آدم علیہم السلام سے حضرت محمد ﷺ تک کیلئے یہ اصولی تفرد منسوب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی زوات قدسیہ عصمت کی شان سے عاری ہیں اور یہ ذوات قدسیہ معصوم نہیں ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی طرف (معاذ اللہ) گناہ اور خطاء کے ارتکاب کی نسبت ممکن ہے اور وہ ذوات قدسیہ خطاء کی مرتکب ہوئی ہیں۔

---

[7]Abi al-hasan Taqī al-Dīn ‘Abd al-kāfī, Al-Seif al-Seiqal Fi Radd ‘Alā ibn e Zafīl wa ma‘ahu Takmilat al-radd ‘Alā Nūniyat ibn al-Qayyim (Eygept: Al-Jāmi‘ah al-azhar, S.N), 115.

[8]Ahmad Shahāb al-dīn bin Hajar Al-Makkī, Al-Fatāvā al-Hadīsiyah, 116.

2۔" ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لا جاه له ولا یتوسل به "

خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو اللہ جل جلالہ کے ہاں کوئی جاہ و مرتبہ کا مقام خاص حاصل نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے توسل بھی نہیں کیا جانا چاہیے۔

3۔" ان انشاء السفر الیه بسبب الزیارة معصیة" ۔[9]

ابن تیمیہ کی طرف یہ تفرد بھی منسوب ہے کہ ان کے نزدیک رسول کریم ﷺ کی قبر مبارک کی نیت سے سفر کرنا معصیت کا کام ہے۔ یعنی یہ سفر سفر معصیت ہے۔ اس لئے اس سفر میں نماز قصر نہیں ادا کی جائیگی بلکہ پوری نماز پڑھی جائے گی۔ سفر معصیت میں قصر نماز کا جواز نہیں ہے۔

جنت و دوزخ:

1۔ "ان النار تفنی "[10]

ابن تیمیہ کے متعلق آپ کے اصولی تفردات میں سے یہ تفرد بھی منسوب کیا گیا ہے کہ آپ کے نزدیک جہنم کو فنا ہے۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب جہنم فنا ہو جائے گی اور باقی نہیں رہے گی۔ جبکہ آپ جنت کے باقی ہونے کے قائل ثابت ہوتے ہیں۔

2۔ "وان عذاب اهل النار ینقطع ولا یتابد"[11]

ابن تیمیہ کی طرف منسوب اس تفرد کا مفہوم یہ ہے کہ دوزخیوں کیلئے عذاب منقطع ہو جائے گا۔ یعنی وہ دوزخی لوگ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دوزخ کے عذاب میں مبتلا نہیں رہیں گے۔ جس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ ایسا وقت بھی آئیگا کہ جب وہ شاد کام ہو جائیں گے یا پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا کر دیئے جائیں گے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ دوزخ فنا و برباد ہو جائے گی۔

مسئلة الحسن والقبح التی یقول بها المعتزلة:

اشاعرہ کے عقائد اگرچہ عقلی دلائل کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہیں۔ لیکن اس بات کے اعتراف میں کوئی مفر، مقر نہیں ہے کہ اکابر سلف صالحین کے یہی عقائد تھے، جو اشاعرہ کے تھے۔ ابن تیمیہؒ نے اس غلطی کا اظہار کیا ہے کہ قرون اولیٰ میں لوگ حسن و قبح عقلی کے قائل نہیں تھے۔ شرعی مسائل اور احکام کی مصالح کو عقل پر مبنی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ سب سے پہلے اس کا انکار ابو الحسن اشعری نے کیا ہے۔ وہی اس خیال کے موجد ہیں۔ حسن و قبح عقلی کا انکار بدعتوں میں سے ایک بدعت ہے۔ جو ابو الحسن اشعری کے دور میں پیدا ہوئی۔ جبکہ انہوں نے معتزلہ سے قدر کے بارے میں مناظرہ کیا تھا۔

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔

---

[9]Ahmad Shahāb al-dīn bin Hajar Al-Makkī, Al-Fatāvā al-Hadīsiyah, 116.

[10]Ahmad Shahāb al-dīn bin Hajar Al-Makkī, Al-Fatāvā al-Hadīsiyah, 116.

[11]Abi al-hasan Taqī al-Dīn ‘Abd al-kāfī, Al-Seif al-Seiqal, 115.

" بل ھٰؤلاء ذکروا ان نفی ذالک ھو من البدع التی حدثت فی الاسلام فی زمن ابی الحسن الاشعری لما ناظر المعتزلة فی القدر "۔[12]

ابن تیمیہ حسن وقبح کے مسئلہ میں معتزلہ کے ساتھ متفق ہیں۔ اس حمایت میں آپ نے تحریر کی اور اس مسئلہ کو اللہ کا دین قرار دیا اور ہر اس بات کو لازم قرار دیا ہے جو اس پر مبنی ہے۔ جیسا کہ اعمال میں موازنہ کرنا ہوتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس مسئلہ میں عقل کو حکم جانا ہے۔ محمد زاھد کوثری لکھتے ہیں۔

" فقال بھا ونصرہا وصنف فیھا وجعلھا دین الله بل الزم کل ما یبنی کالموازنة فی الاعمال۔۔۔ ولم یحکم عقل نفسه"۔[13]

اصولی تفردات کا تجزیاتی مطالعہ:

ابن تیمیہؒ کا ذات وصفات کے متعلق جو مذہب ہے۔ اس بارے میں ان کی واضح تصریحات موجود ہیں کہ قرآن وحدیث میں آنے والی تمام صفات کو ثابت کرتے ہیں اور ان پر ایمان اس طریق سے رکھتے ہیں جس طرح قرآن وحدیث میں ان کا ذکر آیا ہے۔ یہی سلف صالحین کا مسلک اور مذہب ہے۔ جس پر ابن تیمیہؒ چلتے ہوئے سر موانحراف کرنے کو زیغ سے تعبیر کرنے میں ہرگز نہیں چوکتے ہیں اور یہ بات حق ہے کہ سلف صالحین اپنے مذہب میں انہی خطوط پر گامزن تھے۔ جس پر قرآن وسنت کی واضح تصریحات موجود تھیں۔

حق بات یہ ہے کہ اس عقیدہ اور نظریہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو تنزیہ کے مخالف ہو یا توحید کی مخالف یا ایسی ہو کہ خالق اور مخلوق کی درمیان مشابہت پیدا کرتی ہو۔ یہ بات سابق گزر چکی ہے کہ اتحاد اسم مشابہت کو قطعا متلزم نہیں ہے۔ ابن تیمیہؒ کے نزدیک حی کی صفت خالق اور مخلوق کے درمیان مشترک ہے۔ لیکن یہ اشتراک اسمی اور لفظی ہے۔ جس میں تخصیصیت پائی جاتی ہے۔ ان میں سے تخصیصیت کو نکال دیا جائے اور مطلقاً استعمال کیا جائے تو ضرور دونوں ایک ہیں۔ لیکن مطلق کا وجود خارج میں نہیں ہوتا ہے۔ جبکہ عقل کا یہ حال ہے کہ وہ لفظ مطلق سے ہر دو وجود کے قدر مشترک کو سمجھ لیتی ہے اور معین وخاص استعمال کی صورت میں اس کو ایسی قید سے مقید کر لیتی ہے۔ جس کی وجہ خالقیت اور مخلوقیت میں خود بخود امتیاز اور فرق واضح ہو جاتا ہے اور یہی حال دوسری صفات کا ہے۔[14]

اللہ جل جلالہ نے خود اور رسول کریم ﷺ نے جن اوصاف سے موصوف ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ابن تیمیہؒ ان سب کو ان کے موصوف مانتے ہیں۔ تشابہ اور مشابہت صرف ظاہر میں ہے ورنہ ان کے درمیان بے حد مغایرت پائی جاتی ہے۔ ابن تیمیہؒ دوسرے متکلمین کے برعکس تمام صفات کے قیام کے قائل ہیں۔ یعنی کلام اور ارادہ جیسے اللہ جل جلالہ کے ساتھ قائم ہیں ویسے ہی محبت، رضاء، استواء اور ید وغیرہ بھی اس کے ساتھ قائم ہیں۔ جس کی کیفیت نامعلوم ہے اور ان پر ایمان ضروری ہے۔ جو متکلمین اجزاء وابعاض کے قبیلہ سے

---

[12]Mawlānā Shiblī Nu‘mānī, ‘Ilm al-kalām awr Al-kalām, (Karachi: Nafīs Academi, S.N), 86.

[13]Abi al-hasan Taqī al-Dīn ‘Abd al-kāfī, Al-Seif al-Seiqal, 115.

[14]Abu Al-Tayyib Muhammad ‘Atā’ullah Bhūjiyanī, Hayāt Sheikh al-islām Ibn e Teimiyyah(Lahore: Maktabah Salfiyah, 1971 A.D), 406.

صفات کے قیام اور اثبات کے منکر تھے۔ ان کے جواب میں آپ فرماتے ہیں۔ آپ کے اعراض کا قیام بھی مخلوق کی ذوات اور اجسام ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ تجسیم پھر بھی لازم آتی ہے یہی بات ترکیب میں ہے۔ ترکیب حسی کے ساتھ تمہارے انداز میں ترکیب عقلی لازم آئے گی۔ جسمیت وترکیب کے بغیر جو تمہارا اثبات اور انداز استدلال ہو گا بالکل اسی انداز سے ید جیسی صفات کا بھی خود بخود اثبات ہو جائے گا۔ جس ترکیب و تجسیم کا وہم نہ پڑے گا۔

اس صورتحال میں یہ نقض وارد کیا جا سکتا ہے کہ جب صفات کا اثبات مان لیا جائے، کیا یہ مسلک اس مسلک کے موافق اور مطابق نہیں ہو جائے گا جو تشبیہ اور تجسیم کی نفی نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا اثبات کرتے ہیں۔ جنکو تاریخ نے حشویہ، مشبہہ اور مجسمہ کے نام سے اپنے صفحات میں محفوظ رکھا ہے۔ اس بابت یہ ہے کہ ابن تیمیہؒ کی طرف سے واضح ہے کہ آپ نے اپنے مسلک کو متوسط مسلک قرار دیا ہے۔ جو صفات کی نفی کرنے والوں اور تجسیم کا عقیدہ رکھنے والوں کے درمیان ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ سلف صالحین کا مذہب تعطیل اور تمثیل کے درمیان ہے۔

ابن تیمیہؒ اگرچہ سلف صالحین کے مذہب کو پسند کرتے ہیں اور اسی مذہب کے مبلغ و متبع ہیں اور تجسیم کے الزام کی نفی کرتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے لیے فوقیت ثابت کرتے ہیں اور آپ کے نزدیک ثابت ہے کہ اللہ جل جلالہ اوپر ہے جس کی دلیل وہ ظاہر نص سے دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں سات مرتبہ آیا ہے

"ثم استویٰ علی العرش "۔[15]

علاوہ ازیں صحیح اور حسن احادیث میں بکثرت آیا ہے۔ جن میں اوپر جانے اور آنے کا بکثرت ذکر موجود ہے۔ اس عقیدہ کی بابت بڑے بڑے نقاد تنگی داماں کا شکوہ کر بیٹھے کہ ہماری عقل عرش پر مستوی ماننے، جسمیت سے ''' یہ مطلق اور حوادث سے عدم مشابہت کے درمیان تطبیق دینے سے قاصر اور خاسر ہے۔ محمد ابوزھرہ لکھتے ہیں۔

"ولا نتسع عقولنا لادراک الجمع"[16]

ابن تیمیہؒ اس بات کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس بات کے فاسد ہونے کے لیے کیا یہ کم ہے کہ اب تک کوئی معیاری عقل دستیاب نہیں ہو سکی ہے۔ جس کی بنیاد پر کسی امر کو محال عقلی قرار دیا جا سکے۔ عقل کا ہی کمال ہے کہ ایک شے جواز کے درجہ سے واجب اور وجوب کے درجہ سے عقلاً محال قرار پائی ہے۔

ان تمام ابحاث کے باوجود جو بات واضح ہو جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ ید، نزول قدم، وجہ، اور استواء کو ظاہری معانی پر محمول مانتے ہیں۔ لیکن اس ظاہر میں وہ بھی ذرا تاویل کے قائل ہوتے نظر آرہے ہیں کہ ظاہری معنیٰ سے مراد وہی ظاہری معنیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کی

---

[15]Al-A'rāf 7:54.

[16]Abu Zuhrah Muhammad bin Ahmad, Ibn-e-Teimiyyah; Hayātuho wa 'Asruho 'ārā'ho wa fiqhuho (Al-Qāhirah: Dār al-fik al-'arbi, 1991 A.D), 228.

شایان شان ہو۔ اور اس شان وشوکت کی پابندی عقلی طور پر ضرور متفاوت ہو گی۔ کیونکہ ان الفاظ کی تعبیر اور معانی میں جو مراد ہو گی وہ مجاز سے مجاز ہی کی طرف نکلے گی۔

سلف صالحین سے جب احادیث نزول، رویت اور وضع قدم کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا ان احادیث پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن ان کی کیفیت اور معنیٰ ہم نہیں جانتے ہیں۔ اسی طرح استواء کے بارے میں موجود ہے کہ عرش پر خدا کا استواء اس طرح ہے جیسے اس نے چاہا اور جس طرح چاہا اس کی کوئی حد اور صفت نہیں بیان کی جاسکتی ہے۔ اسی کو صاف سیٹ یہ اور تفویض ہے۔ اسی میں ظاہر اور غیر ظاہری معانی سے تعرض کیے جانے کا کوئی شائبہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں کافی سارا مواد فرضی واقعات، من گھڑت قصوں اور افسانوں کی صورت میں بھی موجود ہے۔ جس میں یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ جن سے صاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ تجسیم کے قائل ہیں اور آپ کا فرقہ مجسمہ میں سے ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ مثلاً ابن تیمیہؒ جامع اموی دمشق میں خطبہ دے رہے تھے۔ اسی دوران آپ نے منبر کی ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا اور کہا کہ جس طرح میں نے نزول کیا ہے بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نزول فرماتا ہے۔

اور اس انداز میں دوسرے واقعات بیان کیے جاتے ہیں ابن بطوطہ لکھتا ہے۔

" قال ان الله ينزل الیٰ سماء الدنياكنزولی هٰذا ونزل درجة من درج المنبر"[17]

اس مذکورہ روایت کا درایت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو دل لگتی بات یہ ہے کہ روایت مخدوش ہو جاتی ہے۔ اس روایت کا چشم دید گواہ اور راوی ابن بطوطہ خود دمشق میں 726ھ میں آیا ہے۔ اور یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ ابن تیمیہؒ اس سن میں زنداں کی سلاخوں کے پیچھے تھے۔ اس کے علاوہ ابن تیمیہؒ کبھی جامع اموی کی خطابت پر فائز نہیں رہے تھے۔ بلکہ اس زمانہ میں خطابت کے فرائض جلال الدین قزوینی سرانجام دے رہے تھے۔[18]

ابن تیمیہؒ ذات وصفات کے ان ذی قدر مسائل میں تاویل کے ہرگز قائل نہیں تھے۔ تاویلات کا دروازہ سلف صالحین کے کافی عرصہ بعد کھلا ہے۔ جس کی وجہ صرف یہ تھی جب فلسفہ یونان اور مناطقہ کی طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی تو اسلامی متکلمین نے بجائے قرآن وسنت کے مسلمہ عقائد کو قرآن وسنت سے سمجھنے کی بجائے جوابات تاویلات اور ان خود ساختہ اصول وضوابط کے ذریعے سے دینے لگ گئے جو خود فلاسفہ اور مناطقہ کے ایجاد بندہ تھے۔

---

[17]Ibn e Batūtah, Rihlat ibn e Batūtah Tuhfat al-nazā'r Fi Gharā'b al-absār wa 'ajāub al-asfār (Beirūt: Dār Ahyā'l 'ulūm, 1987A.D),1:111.

[18]Al-Sayed Abi al-Hasan 'Alī al-Hasnī al-Nadvī (Damishq: Dār al-Qalam, 2002 A.D), 2:146.

مسئلہ خلق قرآن

خلق قرآن کامسئلہ، صفات الٰہیہ اور وحدانیت کے ساتھ بہت گہرا اور قریبی تعلق رکھتا ہے۔ سب سے پہلے یہ مسئلہ امویوں کے دور میں پیدا ہوا جس نے اسلامی فضا کو غبار آلودہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ اس نظریہ اور عقیدہ کو معتزلہ نے اپنایا اور خلیفہ مامون الرشید نے تقلید کی اور ایک وقت آیا اس کی طرف دعوت عام دینے لگ گیا۔ قرآن مخلوق ہے اس قول کی بنیاد پر صفت کلام اور من جملہ صفات و معانی کی نفی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہؒ صفات کی نفی کرنے والوں تمام لوگوں کو جہمیہ کہتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک جو بھی صفات کی نفی کرتا ہے وہ جہم بن صفوان کی تقلید کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ استقامت کی راہ پر چلے وہ امام احمد بن حنبل ہیں اور جور و ستم اور آزمائش کا نشانہ بنے۔ کیونکہ آپ نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ آپ کا یہ قول سلف صالحین کی مطابقت پر مبنی تھا۔ کیونکہ من جملہ سلف صالحین اسی بات کے قائل اور عامل تھے کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی بابت اہل حدیث کا مسلک یہ ہے کہ وہ مخلوق نہیں ہیں، یعنی غیر فانی ہیں جبکہ معتزلہ اور جہمیہ کے نزدیک وہ مخلوق اور فانی ہیں۔ ابن تیمیہ، امام احمد بن حنبل کے متبع اور ان کی حمایت میں کمربستہ ہیں۔ ان کا بھی یہ مسلک ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ اس کے باوجود آپ کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو زبان پر ہے اور بذریعہ وحی نازل ہوا ہے۔ مگر تلاوت قرآن کے وقت اور قراءت کے وقت قاری کی جو آواز سنی جاتی ہے۔ یہ غیر قرآن ہے اور نطق بندہ ہے۔ لیکن قرآن وہ اللہ کا کلام ہے۔ قراءت تلاوت روشنائی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ جس سے قرآن لکھا جاتا ہے ظاہر ہے یہ تو کلام اللہ نہیں ہے۔ یہ فرق اللہ جل جلالہ کے اس ارشاد سے واضح ہے۔

"قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفدالبحر قبل ان تنفذ کلمات ربی"[19]

ابن تیمیہؒ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن غیر مخلوق ہے مگر قدیم نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ کا اعتراض تھا اگر یہ قدیم ہے تو تعدد قدماء لازم آئے گا۔ تو آپ نے ان کے اس اعتراض کو رفع دفع کر دیا اور کہا امام احمد بن حنبل بھی قرآن کو غیر مخلوق کہنے سے آگے نہیں بڑھے اور قدیم اور غیر مخلوق ہونے میں کسی قسم کا تلازم نہیں ہے۔ ابو محمد زہرہ لکھتے ہیں۔ ابن تیمیہ اور احمد کی رائے اس معاملہ میں ایک ہے یعنی قرآن غیر مخلوق ہے قدیم نہیں ہے۔

"ومن الحق علینا ان نعرف رای الامام احمد فی ھذہ القضیة لانه رای ابن تیمیه"[20]

[19]Al-A'rāf 7:109.

[20]Abu Zuhrah Muhammad bin Ahmad, Ibn-e-Teimiyyah; Hayātuho wa 'Asruho 'ārā'ho wa fiqhuho (Al-Qahirah: Dār al-Fikr al-Arbī, Latest Eddition: 19991), 249.

عصمت انبیاء:

ابن تیمیہؒ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام توبہ میں تاخیر نہ کرتے تھے، بلکہ توبہ کی طرف مسارعت ومسابقت فرماتے اور نہ ہی گناہ پر اصرار کرتے تھے۔ بلکہ وہ لوگ اس سے معصوم ہیں۔ اور جس نے اس میں تھوڑی تاخیر کی تو اللہ نے تدبیر وتقدیر کے ذریعے اس کا امتحان لیا اور اس کو ابتلا میں لایا۔

"ومن اخر ذلک زمنا قلیلا کفرالله ذلک بما یبتلیه به کما فعل بذی النون۔"[21]

نبی کریم ﷺ اس قدر قیام لیل فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کے دونوں قدمین شریفین سوج جاتے تھے۔ آپ سے جب کہا جاتا کہ آپ ﷺ اتنی مشقت کیوں فرماتے ہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہیں تو آپ ﷺ فرماتے کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اسی طرح ابن تیمیہؒ کے نزدیک اللہ جل جلالہ کے فرمان میں "من ذنبک" میں یہ تاویل کرنا کہ گذشتہ گناہ سے آدم کا گناہ اور بعد کے گناہ سے آپ ﷺ کی امت کے گناہ مراد ہیں۔ وہ اس تاویل کو باطل جانتے ہیں۔ "المتقدم ذنب آدم و المتاخر ذنب امته"[22]

اسی طرح آپ کے ہاں یہ پایا جاتا ہے کہ اگر اللہ کے نزدیک توبہ سب سے زیادہ محبوب نہ ہو تو اکرم الخلق کا گناہ کے ذریعے امتحان نہ فرماتے۔ اگرچہ یہ بات واضح ہے کہ ابن تیمیہؒ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے عقیدہ کے قائل ہیں۔ مگر وہ بسا اوقات ظاہر آیات اور ظاہر احادیث پر حکم لگانے میں مسارعت کرتے ہیں اور اس کے مالہ اور ماعلیہ کا بالکل خیال اور پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے اگلے گناہ سے آدم اور پچھلے گناہ سے آپ ﷺ کی امت کا گناہ مراد ہے۔ ایسی تاویلات کو آپ نے یک جنبش رد کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ معنیٰ امام شافعی اور مشہور مفسر تابعی حضرت عطا نے ذکر فرما کر کوئی اعتراض وارد نہیں کیا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے مفسرین نے بھی یہ معنیٰ کیا اور اعتراض وارد نہیں کیا ہے۔ "وللمفسرین الذین ذکروا هٰذا القول ولم یعترضوا علیه"۔[23]

وحدانیت اور عبادت اس بات کی متقاضی ہے کہ اپنے آپ کو صرف اللہ جل جلالہ کے سپرد کر دیا جائے جو شخص عبادت میں کسی شخص یا چیز کو خدا کے ساتھ شریک کرتا ہے۔ وہ خدا کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا ہے اور کائنات کا سب سے بڑا جرم اپنے اوپر ڈھاتا ہے۔ دعا بھی عبادت کی ایک صورت ہے جو شخص کسی مخلوق سے دعا کرتا ہے۔ وہ بدعت اور شرک کی نجاست سے آلودہ ہو جاتا ہے اور وہ ایسی بدعت ہے جس پر اللہ جل جلالہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے۔

---

[21]Taqī al-Dīn Ahmad bin ‘Abd al-Halīm Ibne Teimiyyah, Majmū‘ Fatāvā Sheikh al-Islām Ibne Teimiyyah (Jama‘ wa Tartīb: ‘Abd al-Rahmān) (Al-Sa‘udiyah: 1425 A.H), 10:309.

[22]Taqī al-Dīn Ahmad bin ‘Abd al-Halīm Ibne Teimiyyah, Majmū‘ Fatāvā Sheikh al-Islām Ibne Teimiyyah, Jam‘a wa Tartīb: ‘Abd al-Rehmān bin Muhammad Qāsim (Al-Madīnah al-Munawarah:Government of Saudiyah, 1425 A.H, 2004 A.D), 10:314.

[23]Sayyed Mahmūd Sayyed Sabīh, Akhtā’ Ibn e Teimiyyah Fi Haqq Rasūlillāh wa ahlu Beitihī (Beirūt: Dār Zain Al- ‘Âbidīn, 2010 A.D), 426.

وحدانیت، الوہیت اور عبادت کے ماتحت توسل اور وسیلہ کے سلسلہ میں ابن تیمیہؒ نے صالحین اور اولیاء کے ذریعے خدا کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرنے اور فوت شدہ بزرگوں سے استغاثہ اور توسل کرنے سے بڑے زور وشور سے منع کیا ہے۔ جس کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ سے براہ راست دعا اور اس کی بارگاہ میں انابت ہی تقرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ دوسروں سے دعا کی بجائے براہ راست اللہ جل جلالہ سے دعا کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اس معاملہ میں نہایت شدت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ صحابہ کرام خیار امت کی زندگی میں ان کی دعا سے شفاعت حاصل کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی وفات مبارکہ کے بعد یہ عمل ثابت نہیں ہے۔ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ کے قائل ہیں مگر اس معنیٰ میں وسیلہ کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ اوامر ونواہی کی تبلیغ میں اللہ جل جلالہ اور اس کی مخلوق کے درمیان ایک واسطہ ہیں۔

"والرسول صلى الله عليه وآله وسلم واسطة بين الله و خلقه في تبليغ امره و نهيه"۔[24]

ابن تیمیہؒ زیارت قبور صالحین کے مسئلہ میں مطلقا زیارت قبور کے منکر نہیں ہیں۔ بلکہ قبور کے لئے اہتمام سفر کی بابت اختلاف کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی قبور کو مساجد بنانے اور ان کے پاس جاکر غیر شرعی احوال کی بناپر آپ منع فرماتے ہیں۔ اور تقرب کیلئے سفر کی بابت ابن تیمیہ نے آپ ﷺ کی قبر مبارک کا استثنیٰ نہیں کیا ہے۔ جس کی دلیل ابن تیمیہؒ نے شدر حال والی حدیث کو بنایا ہے۔ اس بابت تو آپ نے تشدد میں بھی تشدد کیا ہے کہ جس نے یہ سفر کیا تو اس نے شرک کیا۔

حسن وقبح کا مسئلہ:

اللہ جل جلالہ خالق کائنات ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ اللہ جل جلالہ کے ارادہ کے سبب ہے۔ وہ ایک اور یکتا ہے۔ جسکی آسمان وزمین پر حکمرانی اور فرمانروائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال مصلحت اور حکمت سے معمور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر کام بالکل درست اور ٹھیک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر کمال سے متصف ہے اور کامل سے صالح کام کے سوا کچھ صادر نہیں ہو سکتا ہے۔ اشیاء میں حسن وقبح پایا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ ذاتی ہے یا ذاتی نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں ابن تیمیہؒ نے تمام اقوال کی پرکھ کے بعد تقدیرات ثلاثہ قائم کی ہیں۔

1۔ تقدیر اول: اللہ جل جلالہ نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ ماموارت کا حکم دیا لیکن اس میں کوئی علت، محرک اور سبب کے ماتحت نہیں بلکہ صرف اپنی حیثیت اور ارادہ کے مطابق ہوا۔ اگر اشیاء کا وجود علت کے تابع ہوتا تو ارادہ کی پابندی اللہ جل جلالہ کو لازم ہو گی۔ پھر علت اور معلول کی قدامت کا قول کرنا پڑے گا۔

[24] Taqī al-Dīn Ahmad bin ‘Abd al-Halīm Ibne Teimiyyah, Majmū‘ Fatāvā Sheikh al-Islām Ibne Teimiyyah, 1:365.

2۔ تقدیر دوم: اللہ جل جلالہ کی تخلیق اور امر و نہی میں علت اور غایت کار فرما ہے۔علت اور غایت کو قدیم فرض کر لینا بھی درست سمجھا جائے گا۔

3۔ تقدیر سوم: اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کیا۔ماموارت کا حکم دیا اور منہیات سے روکا اور اللہ جل جلالہ نے یہ سب کچھ حکمت محمودہ کے تحت کیا ہے۔ابن تیمیہؒ اس تیسرے قول کے قائل ہیں۔حکمت محمودہ کے معنیٰ و مفہوم میں اہل علم کا اختلاف ہے ۔معتزلہ کے نزدیک اوامر و نواہی میں بذات خود حکمت محمودہ کار فرما ہے۔دوسروں کے نزدیک تقدیر الٰہی، ارادہ اور فعل سے عبارت کا نام حکمت محمودہ ہے۔جو کچھ وہ کرتا ہے وہ خیر ہے حکمت ہے اور خوب ہے۔جس بات کا حکم دیتا ہے وہ خوب ہے اور جس بات سے روکتا اور منع کرتا ہے وہ قبیح ہے۔عقلی حسن و قبح یعنی خوب اور ناخوب عقلی طور پر معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اشیاء ذاتی طور پر خوب ہیں۔ان کی خوبی کا تقاضا ہے کہ ان کے کرنے کا حکم دیا جائے۔اور بعض چیزیں ذاتی طور پر قبیح ہیں ان کا تقاضا ہے کہ ان سے روکا جائے اور اللہ تعالیٰ قبیح کا حکم نہیں دیتا ہے اور نہ حسن و خوب سے روک سکتا ہے۔گویا سارے معارف عقل پر مبنی ہیں۔بعض تو کہتے ہیں کہ شکر منعم شریعت کے آنے سے پہلے بھی ضروری تھا اور حسن و قبح دو ذاتی صفتیں ہیں۔

ابن تیمیہؒ نے ایسے لوگوں کے قیاسات کو ہرگز قبول نہیں کیا۔جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو بندوں پر قیاس کر لیا ہے۔اللہ تعالیٰ پر وہ واجب جو بندوں پر واجب اللہ تعالی پر وہ حرام جو بندوں پر حرام اور طرفہ تماشا دیکھ اس کا نام عدل اور حکمت رکھا۔حالانکہ ان کی ناقص عقلیں عرفان حقیقت سے قاصر اور خاسر ہیں۔ ان کی رائے دوسری رائے ہے۔اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کسی حکمت کے باعث ہیں۔اس حوالے سے آپ کے نزدیک اس کا سبب خود اللہ جل جلالہ ہی کو معلوم ہے۔بندہ یہ بات نہیں کہہ سکتا ہے کہ فلاں وجہ سے خدا پر فلاں بات واجب ہو گئی ہے۔لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئیے کہ ابن تیمیہ اوامر و نواہی میں حکمت کی مطلقاً نفی کے درپے نہیں ہیں۔اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ تمام حکمتوں کا علم بندوں کو معلوم ہو جائے۔اس بات پر ایمان واجب ہے کہ تمام امور عامہ جو اللہ جل جلالہ سے سرزد ہوتے ہیں وہ حکمت عامہ اور رحمت عامہ کی وجہ سے اس عالم میں وجود میں آتے ہیں۔جیسے انبیاء، بعثت اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی بعثت اس اصول کے تحت ہوتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"وما ارسلنک الا رحمة اللعالمین"۔[25]

ایک سوال کا جواب دیتے ہیں کہ اگر سوال ہو کہ ان نفوس قدسیہ کی آمد کی وجہ سے بھی تو ضرر اور نقصان مشرکین اور کفار کو ہوتا ہے۔تو آپ جواب دیتے ہیں کہ نقصان سے زیادہ نفع ہے۔ جیسے بارش کا نفع عام ہے، جو خیر پر مبنی ہے مگر اسی وجہ سے بعض لوگوں کو نقصان بھی ہوتا ہے۔ابن تیمیہؒ مندرجہ ذیل تین امور کے قائل ہیں۔

[25]Al-Aʿrāf 7:107.

1۔ اللہ جل جلالہ نے اسی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ مگر ایسی حکمت کے ماتحت جس کا علم خود اسی کو ذات کو ہے اور یہ حکمت انشاء کی علت نہیں ہے۔ جو ارادہ و مشیت کو پابند کرتی ہو۔ احکام نواہی اور اوامر کی حکمت کا قطعی اور یقینی علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

2۔ اشیاء میں جو حسن و قبح پایا جاتا ہے وہ ذاتی نہیں ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کے لئے صالح اور اصلح امور کا وجوب ہوتا ہو، جس سے یہ واجب آتا ہو کہ خوب کا حکم دے اور ناخوب سے منع کرے۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے۔ اس کے جملہ اوامر و نواہی، بعثت و شرائع لوگوں کی نفع رسانی اور دفع ضرر پر مبنی ہیں اور جس میں غالب نفع ہوتا ہے۔

فناوابدیت:

ابن تیمیہؒ اپنے عقائد و نظریات اور افکار و آراء میں اکثر سلف صالحین کے مسلک اور مذہب کے پابند نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات آپ ظاہریت سے کام لیتے ہیں۔ علمائے اسلام کے اقوال اس بابت بہت مختلف ہیں کہ اس وقت جنت اور جہنم کا وجود ہے یا نہیں ہے۔ ابدیت نار اور اس کا عدم فنا بھی علماء کے درمیان محل اختلاف رہا ہے۔ اہل سنت و جماعت کا مذہب حق یہ ہے کہ جہنم بھی جنت کی طرح مخلوق ہے اور اب بھی موجود ہے۔ اس بابت معتزلہ نے اختلاف کیا ہے کہ فی الحال اس کا وجود نہیں ہے۔ ان کے نزدیک یوم معاد اس کو وجود بخشا جائے گا۔ اب اس کی تخلیق عبث اور بے فائدہ ہے۔ معتزلہ نے اس جنت کے بارے میں بہت ساری تاویلات کا سہارا لیا ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں جس کا ذکر موجود ہے۔ اور اس جنت کا محل سات آسمانوں کے اوپر ہے اور اس جنت کی چھت عرش بن جاتا ہے۔ جہنم ساتوں زمین کے نیچے ہے۔ اس کے علاوہ بھی علماء کے اقوال ہیں۔ جنت کے بارے میں یہ عقیدہ شستہ اور صاف ہے کہ وہ نہ ہی فنا ہو گی اور نہ ہی بوسیدگی کا شکار ہو گی۔ ابدیت نار کے بارے میں دو قول ہیں اور ان اقوال میں عدم فنا کا قول صحت کے درجہ میں ہے۔

یہ بات تو واضح ہے کہ قول صحیح یہی ہے کہ جنت اور نار باقی ہے۔ ابن تیمیہؒ کی طرف اس تفرد کی نسبت میں نقل صحیح کا وضوح نہ ہونے کا بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اگر بالفرض محال صحت کا قول مل بھی جائے تو اس اختلاف میں سلف و خلف دونوں شامل ہیں۔ اختلاف کی صورت میں تشدد کیا جانا از قرین قیاس ہرگز نہیں ہے۔ اگر بالفرض محال اس قول کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے اور اس کا رجوع بھی پایہء ثبوت کو نہ پہنچے تو پھر بھی علماء مجتہدین میں سے ایک ہیں اور مجتہد تو ماجور ہوتا ہے۔

" ان صح النقل ، عدم رجوعه عنه وهولا بعد عند المنصفين الا من العلماء المجتهدين"

خلاصہ کلام:

امام ابن تیمیہؒ کے تفردات کو اختیارات، شذوذ، تفرقات اور نوادرات سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کو تحقیقات اور ترجیحات جیسے مناسب اور موزوں نام سے بھی پکارا جانا قرین قیاس ہے۔ اگرچہ آپکی یہ تحقیقات اور ترجیحات باعث وحشت اور نکارت نہیں ہونی چاہیئے اور نہ ہی آپ کے فضل و کمال کے انکار کا سبب ہونا چاہئیں کیونکہ قرون اولیٰ سے تادم تحریر آئمہ مجتہدین اور محققین کی

ترجیحاتی تحقیقات کا ایک سمندر بے کنار داخل دفتر کیا جاسکتا ہے۔ جس کے انکار کی مجال ہر گز نہ ہے۔ ترجیحاتی نگارشات میں مشہور آئمہ کے علاوہ مشہور و مقبول اولیاء کرام کا بھی ایک حظ وافر موجود ہے جن پر اطلاع صاحب مطالعہ اور سالک پر مخفی نہیں ہے۔ نظریاتی اور ترجیحاتی تحقیق حسن اعتقاد، عظمت وولایت، علمی وجاہت اور فکری شان و شوکت کے لیئے قطعا منافی نہ ہے۔

جن لوگوں کی نظر خلافیات پر اتنی وسیع نہیں یا جو متقدمین کے لیئے تفرد اور شذوذ کی اجازت دے سکتے ہیں لیکن ان کے لئے یہ تفردات بھی موجب مخالفت اور فساد عقیدہ، ضلالت اور خرق اجماع کی دلیل بن گئے جن مسائل میں وہ اپنے اجتہاد سے صحیح نقطہ پر پہنچ گئے ہیں (اور تعداد میں وہی مسائل زیادہ ہیں) ان میں تو ان سے استفادہ کیا جائے اور ان کی وجہ سے ان کے حق میں دعائے خیر کی جائے اور جن میں ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے ان میں ان کی تقلید نہ کی جائے بلکہ ان کو معذور سمجھا جائے۔

امام ابن تیمیہؒ کے تفردات قرآن وسنت کے دلائل اور براہین کی روشنی میں تحقیق کے نئے زاویے متعین کرتے ہیں جن سے اب بھی اختلاف کا حق محفوظ و مامون ہے۔ ان تفردات فقہیہ میں وہ ماجور ہیں اختلاف رائے اور تحقیق کی وجہ سے انکی کلی خدمات سے روگردانی کرنا شیوہ حق وصداقت ہر گز نہ ہے۔ اختلاف مسائل کی صورت میں ان کو معذور رکھا جائے اور افراط و تفریط کی راہ اپنانے سے گریز کیا جانا از حد ضروری ہے۔